قواعد فقہ کی تشریعی حیثیت

(Legeslative Status of Islamic Legal Maxims)

ڈاکٹر سلیم الرحمٰن *
ڈاکٹر نثار محمد*

Abstract

The scholars of Islamic jurisprudence have chalked out legal maxims for demarcating, defining and understanding of infinite problems, due to which hundreds of commandments will be derived on one hand and on the other hand the legal commandments will become understandable under a proper integrated scheme. These maxims denote the depth and circumference of Islamic jurisprudence and develop the talent of derivation. However there is a controversy that whether commands may be derived from these legal maxims or not?

In the given article this issue has been discussed, the summery of which is that the origin of these maxims play basic role in derivation of commands. If these maxims have been extracted from Qur'ān, Sunnah, Ijmā' or from collection of these texts, then derivation is permissible. But if these maxims have been deducted by the scholar of Islamic jurisprudence on their own, then derivation may not be carried out from them in itself. However these may help in certain inevitable circumstances regarding jury and iftā' (religious verdict); but it needs high level of piety, scholastic approach and technical skill.

فقہ اسلامی انسانوں کو درپیش تمام عملی مسائل کے شرعی احکام کے مجموعے کا نام ہے جس میں عبادات، معاملات، مناکحات، مخاصمات، عقوبات اور حکومت وعدالت کے مسائل تمام تر ذیلی ابواب اور ضمنی تفصیلات کے ساتھ شامل ہیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں مسائل کا حل معلوم کرنا فقہاء کرام کا فریضۂ منصبی ہے۔ جتنے مسائل اب تک پیش آچکے ہیں اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ جو نئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے یہ بے شمار اور ان گنت ہیں۔ ظاہر ہے ان کے احکامات بھی لا متناہی ہو

*لیکچرر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک تھیالوجی، اسلامیہ کالج (چارٹرڈیونیورسٹی)، پشاور
*صدر شعبہ اسلامک تھیالوجی، اسلامیہ کالج (چارٹرڈیونیورسٹی)، پشاور

ں گے۔ آنے والے مسائل کے احکام سے قطع نظر، جو احکام اجتہاد کے نتیجے میں حاصل ہوئے ہیں ،وہ اتنے زیادہ ہیں کہ جزئیات اور فروعات کے انداز میں ان کا احاطہ نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔اس لیے فقہاء کرام نے ان احکام کے حصرو احاطہ کے لیے ایسے قواعد کی ضرورت محسوس کی، جو مختصر الفاظ پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ عمومی اور جامع ہوں۔ تاکہ ہر قاعدہ کے ضمن میں ایک نوع کے سینکڑوں مسائل کا اندراج ہوسکے او راس کے نتیجہ میں ان گنت جزئیات وفروعات کا احاطہ ممکن ہوسکے۔

فقہی قاعدہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف:

عربی زبان میں"قاعدہ" کے لغوی معنی بنیاد اور اساس کے ہیں، کسی عمارت کی بنیادوں کو قواعد کہتے ہیں " قواعد البیت اساسہ" [1]

قواعد البیت سے مراد گھر کی بنیادیں ہیں۔ قرآن کریم میں لفظ "قواعد" اسی مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاہِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيْلُ'' [2]

عمارت کے ستونوں اور کجاوے کی مضبوطی کے لیے اس کے نیچے لگائی جانے والی چار لکڑیوں پر "قواعد" کا اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ عمارت کے لیے ستون اور کجاوے کے لیے یہ لکڑیاں بھی بمنزلہ بنیادوں کے ہوتی ہیں۔

'' القواعد أساطين البناء وقواعد الهودج خشبات الأربع المعترضة'' [3]

چنانچہ "قواعد" سے مراد کسی شے کی بنیادیں اور اصول ہیں وہ شے چاہے حسی ہو یا معنوی ، اس کی دونوں قسموں حسیات اور معنویات میں اس کو استعمال کیا جاتا ہے، حسی اشیاء میں استعما ل کی مثال قواعد البیت اور قواعد الہودج اور معنوی اشیاء میں استعمال کی مثال قواعد الدین، قواعد الفقہ وغیرہ ہیں تاہم اول الذکر میں لفظ قواعد حقیقۃً اور مؤخر الذکر میں مجازی طور پر استعمال کیا جاتا ہے ''ثم استعملت مجازاً فی القاعدة المعنوية فيقال بنى أمره على قاعدة أو قواعد'' [4] فقہاء کرام نے اس لحاظ سے لفظ قاعدہ اور قواعد کو فقہی قواعد کے لیے استعمال کیا ہے

علامہ ابو البقاء الکفوی (متوفی ۱۰۹۴ھ) [5] نے ان الفاظ میں قاعدہ کی اصطلاحی تعریف کی:

''القاعدة اصطلاحاً قضية كلية من حيث اشتمالها بالقوة على أحكام جزئيات موضوعها'' [6]

''اصطلاح میں قاعدہ ایسے قضیہ کلیہ کو کہا جاتا ہے جس میں اپنے موضوع
سے متعلقہ احکام پر عمومی انداز سے منطبق ہونے کی صلاحیت پائی جاتی ہو"

فقہی قواعد درحقیقت مختصراندازاور قانونی زبان میں مرتب وہ فقہی اصول ہیں جن میں ایک موضوع کے تحت آنے والے حوادث وواقعات کے بارہ میں عمومی اسلوب بیان میں فقہی احکام بیان کیے جاتے ہیں۔

فقہی قواعد کی فنی ضرورت:

فقہی قواعد سے نہ صرف پیش آمدہ مسئلہ کا حکم معلوم ہوجاتا ہے بلکہ علت میں اشتراک کی بنا پر اس جیسے سینکڑوں مسائل کی تخریج آسان ہوجاتی ہے۔امام السرخسی(متوفی ۴۸۳ھ)[7] فرماتے ہیں:

''من أحكم الأصول فهما ودراية تيسر عليه تخريجها''[8]

'' جو شخص اصول وقواعد میں فہم ودرایت کے اعتبار سے پختگی پیدا کر لیتا
ہےاس کے لیے ان اصول کی بنیاد پر فروعات کی تخریج آسان ہوجاتی ہے"

ان قواعد سے فقہ اسلامی کی گہرائی وگیرائی نمایاں ہوجاتی ہے۔ان کی بدولت منتشر جزئیات کی تہہ میں ایک ہی علت کار فرمانظر آتی ہے۔مسائل واحکام میں علت ومعلول کا تعلق قائم ہوجاتا ہے۔متفرق ابواب میں ایک موضوع سے تعلق رکھنے والے مسائل میں باہمی ربط پیدا ہوجاتاہے اورایسا اجتہادی ملکہ پیدا ہوتاہے جس کے ذریعہ نت نئے اور جدید مسائل کے شرعی احکام معلوم کرنے میں سہولت پیدا ہوجاتی ہے۔اسی وجہ سے امام جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)[9] نے اسے عظیم فن قرار دیا ہے:

''إعلم أن فن الأشباه والنظائر فن عظيم به يطلع على حقائق الفقه ومداركه ومأخذه. ويقتدر على الالحاق والتخريج ومعرفة احكام المسائل التى ليست بمسطورة والحوادث والوقائع التى لا تنقضى على ممر الزمان''[10]

''اس عظیم فن کے ذریعے سے فقہ کے حقائق، مدارک اور مآخذ کا پتہ چلتا ہے۔اور آدمی غیر ثابت شدہ مسائل کے لیے احکام کی معرفت اورتخریج پر قادر ہوتا ہے۔جب کہ یہ حوادث اور واقعات مرور زمانہ کے ساتھ ختم نہیں ہوتے۔جب بھی کوئی نیامسئلہ پیداہوگا اس کے لیے شرعی حل پیش کرنا ان اصول وقواعد کی روشنی میں آسان ہوگا"

استنباط احکام میں اصول فقہ کی جو حیثیت ہے تخریج احکام میں وہ کردار قواعد فقہ ادا کرتے ہیں اور تخریج وترجیح کے اعتبار سے آدمی میں اجتہادی بصیرت پیدا ہوجاتی ہے۔ فقہی قواعد کی بدولت ان بنیادوں تک رسائی ہو جاتی ہے، جن پر فقہ کی عظیم عمارت قائم ہے۔ اگر کسی کو یہ سب ، یا ان میں سے بیشتر قواعد مستحضر ہوں تو اس کے ہاتھ گویا وہ کلید آجاتی ہے جس سے فقہ اسلامی کی بہت سی گتھیاں خودبخود سلجھتی چلی جاتی ہیں لیکن جو حضرات قواعد کے بغیریا ان کو نظر انداز کر کے فقہ اسلامی کا مطالعہ کرتے ہیں ان کو بسااوقات فقہ کا یہ سارا ذخیرہ غیر مربوط اور منتشر احکام کا ایسامجموعہ دکھائی دیتا ہے کہ ان کومختلف مسائل اوران کے پس پشت کارفرما اصولوں میں کوئی باہمی ترتیب نظر نہیں آتی۔ ایسی صورت حال میں یہ حضرات قانون سازی کے میدان میں فقہ کی بنیادی روح اور فلسفہ کو بخوبی سمجھنے سے محروم رہتے ہیں۔ ابن نجیم[11] (متوفی ۹۷۰ھ) فرماتے ہیں:

'' القواعدوہی أصول الفقہ فی الحقیقة وبہا یرتقی الفقیہ إلی درجة الاجتہاد ولو فی الفتوی''[12]

''یہ قواعد درحقیقت اصول فقہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے ذریعے سے فقیہ درجہ اجتہاد پر فائز ہوتا ہے اگرچہ یہ درجہ فتوی کے اعتبار سے ہو''

مشہور مالکی فقیہ ابو العباس قرافی (متوفی ۶۸۴ھ)[13] قواعد فقہ کی اہمیت یوں بیان کرتے ہیں :

'' و ھٰذہ القواعد مہمة فی الفقہ عظیمة النفع و بقدر الاحاطة بہا یعظم قدر الفقیہ ... و من ضبط الفقہ بقواعدہ استغنیٰ عن حفظ اکثر الجزئیات ، لاندراجہافی الکلیات واتحدعندہ ماتناقض عندغیرہ وتناسب ''[14]

علم فقہ کے سارے ذخیرہ میں فقہی قواعد کو بہت اہم مقام حاصل ہے اور علمی طور پر ان کی افادیت مسلم ہے۔ جو شخص ان قواعد میں جتنی مہارت حاصل کرے گا، اتنا ہی اس کے فقہی آرا ء میں پختگی اوررسوخ پیدا ہوگا۔ اگر کوئی شخص قواعد کلیہ کے بغیریاا ن کو نظر انداز کر کے محض جزئیات اور مسائل کو یاد کرنے کی کوشش کرے گا اس کو بڑی مشقتوں اور الجھنوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے کہ جو جزوی مسائل اور فروعی احکام اسے یاد کرنے پڑیں گے، وہ بے شمار ہونگے۔ لیکن جو شخص قواعد کلیہ پر عبور حاصل کرنے کے بعدان کے واسطے سے جزئیات کی طرف متوجہ ہو گا۔ زیادہ ترجزئیات کو الگ سے یاد کرنے کی اسے ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ کیونکہ بہت سی جزئیات تو انہی کلیات کے ضمن میں آجائیں گی جنہیں وہ پہلے ہی علمی گرفت میں

لاچکا ہے۔ اس طرح بہت سے احکام ومسائل جو دوسرے لوگوں کو ایک دوسرے سے الگ الگ بلکہ متناقض نظر آتے ہیں وہ اس شخص کو ایک مربوط اور متناسب سکیم میں مندرج ہونے کی وجہ سے بسہولت وآسانی یاد رہیں گے۔

فقہی مسائل سمجھنے اورمنضبط کرنے میں یہ قواعد بڑے کارآمداورمفیدہیں۔فن قواعدمیں مہارت رکھنے والے حضرات ایک طرف دلائل کے ساتھ فقہی مسائل کو بخوبی جان سکتے ہیں تودوسری طرف اپنے معاملات اور قانونی امور کو اسلامی شریعت سے ہم آہنگ بنانے کے قابل بن سکتے ہیں۔قواعد کی یہی اہمیت "مجلۃ الأحکام العدلیۃ "کے مرتب کرنے والے نامور اہل علم نے مجلہ کے مقدمہ میں واضح کی ہے:

''أن لها فائدة كلية فى ضبط المسائل ، فمن اطلع عليه من المطالعين يضبطون المسائل بأدلتها و سائر المأمورين يرجعون اليها فى كل خصوص و بهٰذه القواعد يمكن للانسان تطبيق معاملاته على الشرع الشريف أو فى الأقل التقريب'' [15]

فقہی مسائل سمجھنے اورمنضبط کرنے میں یہ قواعد بہت اہم اورمفیدہیں۔ان قواعد کواچھی طرح سمجھنے والے لوگ، دلائل کے ساتھ فقہی مسائل کوبخوبی جان سکیں گے۔اور تمام عدالتی حکام اورسرکاری افسران بھی ہرمناسب موقع پر ان قواعدکی طرف رجوع کر سکیں گے۔ان قواعد کے ذریعے سے ممکن ہوگا، کہ لوگ اپنے معاملات کے بارہ میں حکم معلوم کر کے شریعت کے مطابق ان کی مکمل تطبیق کریں یا کم ازکم شریعت کے مزاج اورروح سے انہیں ہم آہنگ اور قریب تر کر سکیں۔

امام تاج الدین السبکی (متوفی۷۷۱ھ) [16] نے فقہ اسلامی میں رسوخ وکمال کے خواہشمند حضرات کے سامنے اس مقصد کے حصول کے لیے دو طریقے رکھے ہیں اور دونوں کی اہمیت کے بعد طریقۂ قواعد کو ترجیح دی ہے :

''حق على طالب التحقيق ومن يتشوق الى المقام الاعلى فى التصور والتصديق أن يحكم قواعد الأحكام ليرجع إليها عند الغموض وينهض بعبئ الاجتهاد أتمّ نهوض ثم يؤكد ها بالاستكثار من حفظ الفروع لترسخ فى الذهنً مثمرة عليه بفوائد غير مقطوع فضلها ولا ممنوع----أما استخراج الفتوى وبذل المجهود فى الإقتصار على حفظ الفروع من غير معرفة أصولها ونظم الجزئيات بدون فهم مأخذها، فلا يرضاه

لنفسہ ذو نفس آبیہ----وإن تعارض الأمر ان وقصر وقت طالب العلم عن الجمع بینہما لضیق أو غیرہ من آفات الزمان فالرأی لذی الذہن الصحیح :'' الاقتصار علی حفظ القواعد وفہم المآخذ''[17]

''ہر طالب تحقیق اور نظری اور بدیہی مسائل میں اعلی مقام کے خواہشمند کی ذمہ داری ہے کہ قواعد میں پختگی پیدا کرے تاکہ دقیق مسائل میں ان کی طرف رجوع کر سکے اور اجتہاد کی ذمہ داری کو بطریق احسن نبھا سکے۔ پھر ان قواعد میں یوں پختگی پیدا کرے کہ ان کے ساتھ فروعات کو کثرت سے یاد کرے تاکہ یہ قواعد ذہن میں راسخ ہوجائیں اور بے شمار فوائد کی صورت میں ثمر آور ہوجائیں۔صرف فتوی تلاش کرنا اور اصول کی معرفت کے بغیر فروعات کو یاد کرنے پر اکتفاء کرنا، اور مأخذ کے ادراک کے بغیر جزئیات جمع کرنا، یہ ایسے امور ہیں کہ عظیم افراد اور اہل علم حضرات مطلقاً ان پر راضی نہیں ہوتے۔لیکن خدانخواستہ دو امور (حفظ قواعد اور ضبط فروعات) میں اگر تعارض کا سامنا ہو، ان دونوں کو جمع کرنے کے لیے طالب علم کو وقت کی کمی یا دیگر آفات زمانہ درپیش ہوں، تو صحیح سالم دماغ والے افراد کے لیے مشورہ یہ ہے کہ وہ حفظ قواعد اور ادراک مأخذ پر اکتفاء کریں"

فن قواعد میں پختگی اور رسوخ ، مسائل کے حقیقی فہم اور نئے مسائل کے استخراج کے لیے بہت ضروری ہے۔اس علم میں ضعف ، اجتہادی ملکہ کے ضعف کا سبب بنتا ہے۔فقہ اسلامی کے زوال کے منجملہ اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ ہے -

''عدم العنایۃ بجمع النظائرو القواعد للفروع المتحدۃ بذکر الحِکَمِ الجامعۃ بینہا حتی یستغنی عن کثرۃ التفریع وحتی تکون الفروع کالأمثلۃ للقواعد''[18]

فقہ اسلامی کے زوال کے اسباب میں یہ بھی ہے کہ جامع حکمتوں کے ذریعے مشترک فروعات کو منضبط کرنے والے نظائر اور قواعد کو جمع کرنے کی طرف توجہ نہیں دی گئی، تا آنکہ کثرت تفریع کی ضرورت نہ رہتی اور یہ فروعی مسائل ان قواعد کے لیے مثالوں کی حیثیت اختیار کرتے۔یہی وہ اہم نکتہ ہے جس کی بنیاد پر امام جلال الدین سیوطی نے فقہ کو اشباہ ونظائر کا ہی

علم قرار دیا ہے ''الفقہ معرفۃ النظائر''۔[19]

فقہی قواعد کی تشریعی حیثیت:

قواعد فقہیہ کی تشریعی حیثیت اور فقہی مقام کے تعین میں بنیادی کردار قاعدہ کے استمدادی پس منظر کا ہے کہ یہ قاعدہ کہاں سے حاصل ہوا۔ اس کاجوہر اور ماخذ کیا ہے۔ مجموعی طور پر فقہی قاعدہ کا استمداد اور حصول تین امور نصوص شرعیہ ، اجماع امت اورمسائل اجتہادیہ کے استقراء وتتبع میں سے کسی ایک امر سے ہوتا ہے۔

1. نصوص شرعیہ :یعنی کتاب وسنت سے کوئی قاعدہ حاصل کیاجائے ، ایسے قاعدہ کی تین قسمیں ہیں۔

(ا) قاعدہ براہ راست قرآن وسنت کی کوئی نص یا اس کا ایک جز ہو۔''الخراج بالضمان'' یہ قاعدہ براہ راست نص حدیث ہے[20] یا''البینۃ علی المدعی والیمین علی من أنکر'' یہ تنازعات حل کرنے کے لئے مشہور عدالتی قاعدہ نص حدیث کا ایک جزو ہے '۔[21]

(ب) کوئی قاعدہ ایک خاص شرعی نص سے حاصل کیا گیا ہو: قاعدہ ہے''المیسور لا یسقط المعسور''[22]

امام الحرمین علامہ جوینی (متوفی۴۳۸ھ)[23] فرماتے ہیں :

''وہذہ القاعدة مـــن الأصول الشائعۃ التی لاتكاد تنسى مـــا أقیمت اصول الشریعۃ'' [24]

اسی طرح ابن الملقن (متوفی ۸۰۴ھ) فرماتے ہیں :

''ویحضرنا من ہذہ القاعدة خمس وثلاثون مسألۃ''[25]

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث ہے :

''دعونی ما ترکتکم، إنما أہلک من کان قبلکم لسؤالہم وإختلافہم علی انبیاء ہم فإذا نہیتکم عن شیء فاجتنبوہ وإذا أمرتکم فأتوا منہ ما استطعتم''[26]

اسی طرح ایک دوسرا قاعدہ ہے : ''الحریم لہ حکم ما ہو حریم لہ''[27] یہ قاعدہ حدیث پاک سے حاصل کیا گیا ہے جس کی نص یہ ہے :

''إن الحلال بین وإن الحرام بین وبینہما مشتبہات لا یعلمہن کثیر من الناس ، فمن اتقی الشبہات استبرأ لدینہ

وعرضہ ، ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام ، کالراعی یرعی حول الحمی ، یوشک أن یرتع فیہ''[28]

(ج) کبھی فقہی قاعدہ نہ براہ راست نص اور نہ ہی کسی مخصوص دلیل شرعی سے مستفاد ہوتا ہے ،بلکہ ادلہ شرعیہ کے ایک مجموعے کا نچوڑاور حاصل ہوتا ہے ۔ مثلاً قواعد خمسہ میں شامل ضرورت وحاجت سے متعلق فقہ اسلامی کا اساسی قاعدہ ہے۔''المشقۃ تجلب التیسیر''۔یہ قاعدہ قرآن وسنت سے ثابت ادلہ کے ایک مجموعہ سے حاصل ہوا ہے۔[29]

2. اجماع: قاعدہ کا دوسرا استمدادی امر جس سے قاعدہ حاصل کیا جاتا ہے، اجماع ہے مثلاً : ''الاجتہاد لا ینقض بالاجتہاد'' یہ قاعدہ اجماع سے مستفاد ہے۔[30]

3. استقراء وتتبع: یعنی فقہی قاعدہ ایسے جزئیات اور فروعی مسائل کے تتبع اوراستقراء کے بعد حاصل ہوتا ہے، جو باہم ایک دوسرے کے ساتھ تشابہ ہوں اوریوں لگتا ہو کہ ایک ہی علت پر ان مسائل کے حکم کا دار مدار ہے۔قواعد فقہ کے مجموعی ذخیرہ میں اکثر قواعد اس استمدادی پس منظر سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً :

''القدیم یترک علی قدمہ''[31] اور'' الأصل براء ۃ الذمۃ''[32]

ساخت ، ماہیت استمداد کے لحاظ سے قواعد کی دوقسمیں حاصل ہوتی ہیں اور اس تقسیم پر استنباط واستدلال کا دارو مدار ہے۔پہلی قسم ان قواعد فقہیہ کی ہے جو قرآن وسنت کے الفاظ ہی ہیں یا براہ راست قرآن وسنت کے مخصوص نص یا نصوص کے مجموعے سے مأخوذ ہیں۔ قواعد فقہ میں سینکڑوں ایسے قواعد موجود ہیں جو ادلہ شرعیہ کے الفاظ پر مشتمل ہیں یا براہ راست ان سے مأخوذ ہیں۔ چنانچہ اس فن کے علماء نے جہاں تک ممکن ہوسکا ادلہ شرعیہ سے قواعد پر دلائل پیش کرنے کا اہتمام کیاہے۔

۲۔دوسری قسم:

ایسے قواعد جو نہ تو قرآن وسنت کے الفاظ پر مشتمل ہیں اور نہ ان سے براہ راست مأخوذ ہیں بلکہ فروعی احکام کے علل اورحِکَم میں مسلسل غور تحقیق کے نتیجے میں وضع کیے گئے ہیں۔قواعد کلیہ فقہیہ کی ساخت وماہیت کے معلوم کرنے کے ان دو طریقوں میں جو فرق ہے اس کا ان قواعد سے فروعی احکام معلوم کرنے کے طریقہ پر گہرا اثر پڑتا ہے۔وہ قاعدہ جو قرآن و سنت کے الفاظ پر مشتمل ہے یا ان سے ماخوذ ہے، اس سے نئے پیش آمدہ مسائل میں براہ راست استدلال

اور استنباط درست ہے اس لئے کہ قرآن و سنت استنباط احکام کے لئے بنیادی مصادر ہیں۔ قاعدہ کی حیثیت سے ان کی تشریعی حیثیت مزید نکھر کر سامنے آجاتی ہے ۔ مجلۃالاحکام العدلیہ کے مرتبین نے وضاحت کی ہے کہ استنباط احکام کے لئے ان قواعد کی پشت پر نص کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ استنباط قرآن یا حدیث کے نصوص ہی سے ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ان قواعد سے حکم معلوم کرنے کے سلسلے میں کہا گیا:

''لیس لحکام الشرع الشریف أن یحکموا بمجرد إستناد إلی واحدة من ہذہ القواعد مالم یقفوا علی نص صریح''[33]

اس عبارت سے بطور مفہوم مخالف معلوم ہوتا ہے کہ وہ قواعد جو قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں وہاں قاضی یا مفتی اس قاعدہ کے بنیاد پر فیصلہ کریں گے یا فتوی دیں گے۔

ان قواعد کے برخلاف وہ قواعد جو فروعی احکام کی تحقیق کے نتیجے میں معلوم ہوئے ہوں اور ان کی پشت پر کوئی نص براہ راست موجود نہ ہو، ان قواعد سے استنباط کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور ان سے استنباط کے سلسلے میں دو نقطہ ہائے نظر پیدا ہوئے :

1. پہلا نقطۂ نظر جمہور علماء کا ہے کہ محض فقہی قاعدہ سے کسی حکم کا استنباط درست طریقہ نہیں۔ مجلۃالاحکام العدلیہ کے مدونین نے اس موضوع پر اظہار خیال کر کے وضاحت کی ہے کہ یہ قواعد کلیہ قانون سازی اور استنباط کا مأخذ نہیں۔ جہاں تک فیصلوں اور فتوؤں کا تعلق ہے، تو وہ محض کسی قاعدہ فقہیہ کی بنیاد پر نہیں دینا چاہیئے۔ بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ فیصلہ یا فتوی کی بنیاد کسی قرآنی ، حدیثی یا فقہی نص پر ہو، فرماتے ہیں: ''فحکام الشرع الشریف ما لم یقفوا علی نص صریح لا یحکمون بمجرد الاستناد إلی واحدةمن ہذہ القواعد إلا أن لہا فائدة کلیة فی ضبط المسائل ''[34] مجلہ کے اکثر شارحین کا بھی یہی موقف ہے۔[35]

مزید برآں ان قواعد میں ایسے قواعد بکثرت موجود ہیں جو اکثری اور اغلبی نوعیت کے ہیں جو محض اکثر صورتوں میں اپنی جزئیات پر منطبق ہوتے ہیں ،سب پر منطبق نہیں ہوتے۔ ایسے قواعد کی مشمولہ اور غیر مشمولہ صورتوں کا معلوم کرنا بہت ہی مشکل معاملہ ہے کہ ان متعین صورتوں پر قاعدے کا حکم لاگو ہوتا ہے اور یہ متعین صورتیں اس کے دائرہ اطلاق سے باہر ہیں۔ اس لیے یہ قواعد من حیث القواعد کسی بالذات تشریعی دلیل کی حیثیت نہیں رکھتے۔ علامہ حموی ، ابن نجیم سے نقل کرتے ہیں:

''إنہ لا یجوز الفتوی بما تقتضیہ القواعد والضوابط لأنہا لیست کلیۃ بل أغلبیۃ''[36]

''ان قواعد وضوابط کے مقتضی کے مطابق فتوی دینا جائز نہیں کیونکہ یہ عمومی نہیں بلکہ اکثری ہوتے ہیں''

لہٰذا ان قواعد میں اپنی ذات کے لحاظ سے یہ صلاحیت موجود نہیں کہ ان پر استنباط احکام اور قانون سازی کا مدار رکھا جائے۔ مآخذ استنباط صرف قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ﷺ ہیں یا پھر وہ اجماع واجتہاد جو قرآن وسنت کی اساس پر وقوع پذیر ہوئے ہو۔ ان قواعد کا فائدہ اس قدر ہے کہ :

'' یتنور بہا المقلد ولا یتخذہا مداراً للفتوی والحکم فلعل بعضہا من حوادث الفتوی خرجت عن اطرادھا''[37]

ان قواعد کا کردار راہنما اصولوں کا ہے جن سے فروعی مسائل کا تعین اور استثنائی صورتوں کا علم ہوتا ہے جو بالذات شرعی دلیل تو نہیں لیکن مقلد اس سے روشنی اوررہنمائی حاصل کر سکتا ہے اس کو فتوی اور حکم کے لیے بنیاد نہیں بنایاجاسکتا اس لیے کہ ممکن ہے کہ پیش آمدہ مسئلہ قاعدے کے عمومی حکم سے باہر ہو۔

امام الحرمین علامہ جوینی (متوفی۴۳۸ھ) اباحت اور براءۃ الذمہ کے حوالے سے دو قواعد ذکر کر کے فرماتے ہیں:

'' وغرضی بإیرادہما تنبیہ القرائح ولست أقصد الاستدلال بہا[38] (۳۸)

''ان دونوں قواعد کے لانے سے مقصود طبیعتوں کو بیدار کرنا ہے۔استدلال مقصود نہیں''

اس لیے کہ تفاریع اور تفاصیل سے اگر زمانے کو خالی فرض کر لیا جائے (اور ایسا ممکن بھی ہے) تو پھر استدلال کے لیے یقینایقینیات یعنی قرآن اور شارحِ قرآن ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس نقطہ نظر کے مطابق قواعد سے قواعد کی حیثیت سے استنباط اور قانون سازی درست نہیں۔ان کا کردار ایسے راہنما اصولوں کا ہے جن سے مسائل کی جمع وترتیب اور حصر واحصاء میں فائدہ لیا جاسکتاہے۔

2. دوسرا نقطہ نظریہ ہے کہ ان قواعد سے استنباط صحیح اور درست ہے اگر قاضی کا فیصلہ ان قواعد میں سے کسی ایسے قاعدہ کے خلاف ہوجو تعارض سے محفوظ ہو تو قاضی کا فیصلہ منسوخ اور کالعدم ہو گا۔ یہ موقف امام ابو العباس القرافی کا ہے۔ آپ نے جہاں قاضی کے فیصلے کے کالعدم ہونے کی بحث کی ہے۔ وہاں آپ نے صراحت کی ہے کہ قاضی کا فیصلہ چار امور میں سے کسی بھی ایک امر کی مخالفت کی وجہ سے کالعدم سمجھا جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں:

> ''فہذا ینقض لفساد المدرک لا لعدم الولایۃ فیہ وہو الحکم الذی خالف أحد أربعۃ أمور إذا حکم علی خلاف الإجماع فینقض قضاءہ أو خلاف النص السالم عن المعارض أو القیاس الجلی عن المعارض أو قاعدۃ من القواعد السالمۃ عن المعارض ولابد فی الجمیع من اشتراط السلامۃ ای المعارض والراجح۔''[39]

اس قسم کا فیصلہ فساد دلیل کی وجہ سے منسوخ ہوگا، نہ کہ اس وجہ سے کہ قاضی کی ولایت اس مسئلہ میں ثابت نہیں۔ اور کالعدم فیصلہ وہ ہوتا ہے جس میں قاضی چار امور میں سے کسی ایک کی مخالفت کرتا ہے۔ چنانچہ جب اجماع کے خلاف فیصلہ کرے گا ،تو اس کا فیصلہ کالعدم ہو گا یا ایسی نص کی مخالفت کرے جو معارض سے سالم ہو یا معارض سے محفوظ قیاس جلی کی مخالفت کرے یا ان قواعد میں سے ایسے قاعدے کی مخالفت کرے جو معارض سے سالم ہوتو ایسی صورت حال میں قاضی کا فیصلہ کالعدم ہو گا۔

چنانچہ مسئلہ ''ا لسُریجیۃ''[40] میں آپ نے قاضی کا فیصلہ منسوخ قرار دیاہے:

> ''بناء علی المسئلۃ السریجیۃ نقضناہ لکونہ علی خلاف قاعدۃ أن الشرط قاعدتہ: صحۃ إجتماعہ مع المشروط وشرط السریجیۃ لا یجتمع مع مشروطہ أبداً فان تقدم الثلاث لا یجتمع مع لزوم الطلاق بعدھا''[41]

اسی بناء پر ہم نے مسئلہ سریجیہ میں قاضی کے فیصلہ کو کالعدم قرار دیا ہے، کیونکہ یہ فیصلہ اس قاعدے کے خلاف تھا کہ شرط میں قاعدہ یہ ہے ،کہ مشروط کے ساتھ اس کا جمع ہونا ممکن ہو، جب کہ مسئلہ سریجیہ میں شرط اپنے مشروط کے ساتھ کبھی بھی جمع نہیں ہوسکتا کیونکہ تین طلاقوں کے پہلے واقع ہونے کی صورت میں مزید ایک طلاق کا واقع ہونا نا ممکن ہے۔

امام ابوالعباس القرافی کی مذکورہ رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ہاں معارض سے سالم قواعد بھی مضبوط ادلہ شرعیہ میں سے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر قاضی اس کی مخالفت کرتا ہے تو اس کی یہ مخالفت اس طرح سمجھی جائے گی، کہ اس نے گویا نص، اجماع یا قیاس جلّی کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ آپ کے ہاں جس طرح نص، اجماع اور قیاس جلی سے مسائل کا استنباط ہوتا ہے اسی طرح ایسے قاعدے سے بھی استنباط جائز ہوگا۔

اس موقف کی تائید امام عبد اللہ ابن عرفہ (متوفی ۸۰۳ھ)[42] کے موقف سے بھی ہوتی ہے۔ آپ کا موقف یہ ہے کہ فقہی قاعدے سے استنباط کے بعد اسی مسئلہ کی نسبت اصل مذہب کی طرف کرنا جائز ہے۔

> ''سئل ابن عرفة ہل یجوز أن یقال فی طریق من الطرق، ہذا مذہب مالک فأجاب بأن من لہ معرفة بقواعد المذہب ومشہور أقوالہ والترجیح والقیاس یجوز لہ ذالک بعد بذل جہدہ فی تذکرہ فی قواعد المذہب ومن لم یکن کذلک لا یجوز لہ ذلک''[43]

امام عبداللہ بن عرفہ سے پوچھا گیا کہ طرق یعنی (نقلِ مذہب میں شیوخ کی اختلافی روایات) میں سے کسی طریق کے بارے میں کہہ سکتے ہیں '' ہذا مذہب مالک '' کہ یہ امام مالک کا مذہب ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ جو شخص قواعد مذہب، مشہور اقوال مذہب، ترجیح اور قیاس کی معرفت رکھتا ہو اس کے لیے تو (قاعدے سے استنباط کے بعد) ''ہذامذہب مالک '' کہنا جائز ہے، بشرطیکہ اس نے قواعد مذہب یاد کرنے میں کافی محنت کی ہو۔ اور جس شخص کے پاس ایسی معرفت نہ ہو، اس کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں۔

یہ صورت حال اس بات کی شاہد ہے۔ کہ ابن عرفہ قاعدہ فقہیہ سے استناد کو درست سمجھتے ہیں۔ اس لیے تو اجازت دیتے ہیں کہ ایسے مسئلہ کی نسبت اصل مذہب کی طرف جائز ہے۔[44]

ابن فرحون (متوفی ۷۹۹ھ)[45] ''دیباج المذہب'' میں الشیخ ابو طاہر بن بشیر التنوخی (متوفی ۵۲۶ھ)[46] کا موقف بھی اس قسم کا ذکر کرکے فرماتے ہیں:

> ''وکان ابن بشیر-رحمہ اللہ - یستنبط أحکام الفروع من قواعد أصول الفقہ وعلی ہذا مشی فی کتابہ ''التنبیہ''[47]
>
> ''کہ آپ قواعد فقہیہ سے فروعات کے احکام کا استنباط کیا کرتے تھے۔ اور اپنی کتاب ''التنبیہ'' میں آپ اس منہج پر چلے ہیں''

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اس مقام پر قواعد اصول فقہ سے مراد قواعد فقہیہ ہیں۔اس لئے کہ قواعد اصول فقہ سے استنباط میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔[48]

امام نووی (متوفی ۶۷۶ھ)[49] نے حدیث ضعیف اور فقہی قاعدے میں تعارض کے وقت قاعدے کو ترجیح دی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ فقہی قاعدے سے استنباط کو جائز سمجھتے ہیں۔ اونٹوں کے دودھ کے پینے سے وضو کے ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے مسئلے میں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے اقوال نقل کرتے ہیں:

''ولا فرق عند أحمد بين أكل اللحم مطبوخا ونيئاً ومشوياً ففى كله الوضوء وكذا قولنا القديم ولأحمد رواية : أنه يجب الوضوء من شرب لبن الإبل'' ''ولا أعلم أحداً وافقه عليها ومذهبنا ومذهب العلماء كأنه لا وضوء من لبنها واحتج أصحاب أحمد بحديث عن أسيد بن حضير رضى الله عنه. أن النبى □ قال لاتوضئوا من ألبان الغنم و توضئوا من ألبان الإبل رواه ابن ماجه باسناد ضعيف فلا حجة فيه ودليلنا أن الأصل الطهارة ولم يثبت ناقض''[50]

''امام احمد بن حنبل کا موقف اور امام شافعی کا مذہب قدیم یہ ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے چاہے پکا کر یا بھون کر کھا ئے۔امام احمد کی ایک روایت اونٹ کے دودھ پینے سے وضو ٹوٹنے کی بھی ہے۔مجھے اس قول میں آپ کا کوئی موافقت کرنے والا معلوم نہیں، ہمارا اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اونٹ کے دود ھ پینے سے وضو لازم نہیں۔ حنابلہ نے اسید ؓبن حضیر(متوفی ۲۰ھ)[51] کی روایت سے استدلال کیا ہے، کہ آپ ﷺ نے فرمایاکہ بھیڑ بکری کا دودھ پینے سے وضو مت کرو اور اونٹوں کے دودھ پینے سے وضو کیا کرو۔ یہ روایت سند ضعیف کے ساتھ ابن ماجہ نے روایت کی ہے، اس لیے یہ حجت نہیں۔ ہماری دلیل یہ فقہی قاعدہ ہے کہ اصل طہارت ہے جب تک کوئی ناقض ثابت نہ ہو''۔

جہاں تک الشیخ ابو طاہر بن بشیر التنوخی کے موقف کا تعلق ہے تو وہاں پر محقق ابن دقیق العید (متوفی۷۰۲ھ)[52] نے اس پر علمی گرفت کی ہے اور فقہی قاعدے سے من حیث القاعدہ استنباط کی روش کو غیر محفوظ بتایا ہے:

'' وہی طریقہ نبہ الشیخ تقی الدین بن دقیق العید أنہا غیر مخلصۃ، وإن الفروع لا یطرد تخریجہا علی القواعد الأصولیۃ''[53]

جمہور حضرات نے فقہی قاعدے سے من حیث القاعدہ استناد کو جس علت کی بنیاد پر ناجائز قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ قواعد عمومی اور کلی نہیں بلکہ اکثری اور اغلبی ہیں۔اس لیے قاعدے کے اطلاق کی مشمولہ اور غیر مشمولہ صورتوں میں امتیاز بہت مشکل امر ہے۔یہی وجہ ہے کہ امام عبداللہ بن عرفہ قواعد سے استدلال کرکے اصل مذہب کی طرف نسبت کے جواز کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں کہ یہ ہر اس شخص کے لیے جائز ہے جو قواعد مذہب ، ترجیح اور قیاس کی معرفت کے ساتھ ساتھ ان قواعد میں اجتہادی صلاحیت رکھتاہو۔چنانچہ علامہ ابوالعباس قرافی جنہوں نے معارض سے سالم قاعدہ کے خلاف قاضی کے فیصلے کو منسوخ قرار دیا ہے ان کی کتاب ''الفروق'' کے مہذب محمد بن علی المالکی (متوفی۱۳۶۷ھ)[54] کے ہاں بھی یہ قواعد اغلبی اوراکثری ہیں'' ومن المعلوم أن أکثر قواعد الفقہ أغلبیۃ ''[55]

شاید اسی علت کی بنیاد پر مجلہ کے مرتبین اور شارحین نے قاعدہ سے استنباط کو اس وقت جائز قرار دیا ہے جب قاعدے کی پشت پر کوئی نص موجود ہو۔قاعدہ مسائل کے حصرو احاطہ اور ضبط وجمع کے لیے مفید ہے۔اس سے استدلال درست نہیں۔اور یہ بات قرین عقل نہیں کہ فروعات اور جزئیات کے رابط اور جامع کو انہی فروعات کے جواز وعدم جواز کے لیے دلیل بنایا جائے۔لیکن اگر ان قواعد کو کوئی دوسری حیثیت حاصل ہوجاتی ہے۔مثلاً قرآن وحدیث سے مأخوذ ہویا کسی اصولی دلیل کی تعبیر ہو جیسا کہ ''بقاء ما کان علی ماکان'' درحقیقت استصحاب حال کی تعبیر ہے۔تو اس صورت میں احکام کے استنباط اور قضاء اور افتاء کے ابواب میں اس کو دلیل بنایا جائے گا۔اورکوئی ایسا قاعدہ جو قرآن وسنت سے ماخوذ نہ ہواور نہ کسی اصولی دلیل کی تعبیر ہوتو اس سے استناد درست نہیں ہوگا۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بات بہر حال قابل لحاظ ہے کہ فقہی قاعدے سے باعتبار قاعدے کے قاضی اور مفتی کے لیے استناد کا عدم جواز اس وقت ہے، جب پیش آمدہ مسئلہ میں کوئی ایسی نص موجود ہو جس سے استنباط حکم کا امکان ہو۔اگر کوئی ایسی صورت حال سامنے آجاتی ہے جس کے متعلق کوئی قرآنی یا حدیثی نص موجود نہ ہو ،اور نہ متقدمین علماء سے کوئی صراحت موجود ہو، اورکوئی فقہی قاعدہ ایسا پایا جاتا ہو جو اس صورت حال کو شامل ہوسکتا ہو، تو اس وقت

فتوی اور قضا میں اس سے استدلال ہونا چاہئے۔لیکن اس حالت میں اس بات کا علم ہونا ضروری ہے کہ اس پیش آمدہ جدید صورت حال اور قاعدہ کی مشمولہ صورتوں میں کہاں تک تشابہ یا فرق پایاجاتا ہے جس کے لیے "دقیق نظر اور تبحر علمی" کی ضرورت ہے تاکہ قاعدہ کی مشمولہ صورتوں اور مستثنیات کا پتہ لگایاجاسکے۔[56]

اس وقت ان قواعد سے استدلال انتہائی فقہی مہارت اور دقت نظرکا متقاضی ہوتا ہے۔اس لیے ہر کس وناکس کو براہ راست کسی قاعدے سے استدلال کر کے فیصلہ یا فتوی نہیں دیناچاہیے۔ چنانچہ ابن ِ فرحون اور دیگر اہل ِ علم نے محقق ابن دقیق العید کی رائے نقل کی کہ محض فقہی قاعدہ سے کسی مسئلے کا استنباط اور حکم معلوم کرنا درست طریقہ نہیں۔[57]

نئی صورت حال پر قاعدہ کا انطباق اگرچہ درست ہوگا لیکن اس استدلال کو مجازاً استدلال کہا جائے گا۔اس لیے کہ یہ وہ استدلال نہیں جو کسی شرعی دلیل (مآخذ شریعت)کی بنیاد پر ہوتا ہے۔اس استدلال کی حیثیت دراصل تفریع کی ہے جس طرح ایک عمومی حکم معلوم ہوجانے کے بعد اس کی ذیلی فروع معلوم کرنا بہت آسان ہوجاتاہے، اس طرح ایک قاعدہ کلیہ کی ذیلی فروع معلوم کرنا بھی آسان ہوجاتا ہے۔اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ فلاں معاملہ میں فقہ اسلامی کا انداز تفکیر کیاہے، یا فلاں مسئلہ میں فقہی حکم معلوم کرنے کا عمومی اسلوب کیاہے۔لہٰذا جس طرح فقہ کے دوسرے فروعی اور جزوی احکام براہ راست یا بالواسطہ قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں اس طرح قواعد فقہ بھی قرآن وسنت سے مأخوذ ہیں اگر خدا نخواستہ کوئی قاعدہ قرآن وسنت کے کسی حکم سے متعارض ہو تو اس کی سرے سے کوئی حیثیت ہی نہیں۔[58]

تقریباً یہی حیثیت مغربی اصول قانون میں لیگل میکسمز(Legal Maxims) کی ہے ۔ یہ میکسمز (Maxims)نہ تو مأخذ قانون ہیں اورنہ اپنی ذات میں خود قانون ہیں۔یہ قانونی دنیا کے ضرب الأمثال ہیں جس طرح کسی قوم یاعلاقے کے ضرب الأمثال اور محاورات سے اس قوم وعلاقہ کے انداز فکر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے ، اس طرح ان میکسمز (Maxims) سے بھی مغربی قانونی دنیا کے عام انداز فکر کو سمجھنا آسان ہوجاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اگر کبھی کسی قانون موضوعہ (Statutary Law) اور (Legal Maxims) میں تعارض ہو تو قانون موضوعہ ہی کو برتری حاصل ہوگی اس لیے کہ لیگل میکسمز خود کوئی قانون نہیں انکی حیثیت تشریعی نہیں صرف تشریحی ہے۔[59]

یہاں ایک سوال جواب طلب ہے کہ جب فقہی قواعد نہ خود شریعت ہیں اور نہ قانون شریعت کے مأخذ۔ اورنہ ان قواعد سے محض قواعد کی حیثیت سے ا ستدلال یااستنباط ہوسکتاہے۔ تو پھر ا ن کی ضرورت کیا ہے ؟ فقہاء کرام اوراصولیین نے فن قواعد کو اتنی توجہ کیوں دی اوران کی تدوین میں محنتیں کیوں صرف کیں ؟چنانچہ گذشتہ صفحات کی تفصیل سے قطع نظر مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے۔ کہ ان کے تشریعی مقام اور قانونی حیثیت سے قطع نظر ان کی تعلیمی ضرورت اورفنّی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ مصطفی احمد الزرقاء نے اس تفصیل کو مختصر جملے میں سمیٹ لیا ہے:

''ہی دساتیر للتفقیہ لا نصوص للقضاء''[60]

''یہ قواعد ، فقیہ بنانے اور فقہ میں مہارت اورگہری بصیرت پیدا کرنے کے راہنما اصول ہیں، قضاء یا عدالتی فیصلوں کی بنیاد بننے والے قوانین یادفعات نہیں''

مؤخر الذکرقسم کے قواعد اگرچہ بالذات افتاء و قضاء کے سلسلے میں دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے لیکن پھر بھی ہراس شخص کے لیے اس میں مہارت ضروری ہے جو قضاء یا افتاء کے فرائض سر انجام دینا چاہتا ہو، تاکہ ان قواعد کے ذریعے سے ہزاروں فقہی فروعات اور جزئیات کا احاطہ اورضبط کرنے پر قادرہوسکے ، کیونکہ مختلف آراء میں ان قواعد کے ذریعے کسی رائے کو ترجیح دینا آسان ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے مشہور ومعروف معتمد کتابوں میں ان قواعد کا تذکرہ ہو تا رہا ہے اورکو ئی قابل ذکر کتاب ان کے تذکرہ سے شاذ ونادر ہی خالی ہوتی ہے۔چنانچہ موسوعۃالقواعد الفقہیہ میں ایک قول نقل کیا گیا ہے۔جس کی رو سے اہل قضا اور ارباب فتوی کے لئے علم القواعد کو فرض عین اور دوسرے حضرات کے لئے فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے۔

''إن حکم دراسہ القواعد الفقہیۃ والإلمام بہا علی القضاۃ والمفتین فرض عین وعلی غیرہم فرض کفایۃ''[61]

خلاصۂ بحث :

قواعد فقہیہ سے استنباطِ مسائل میں بنیادی کردار ان قواعد کے استمدادی پس منظر کا ہوتا ہے۔ جن قواعد کی پشت پر قرآن ، سنت ، اجماع موجود ہو یا کسی اصولی قاعدہ کی تعبیر ہو ، ان سے استنباط درست ہے۔ اورجہاں ان قواعد کے پشت پر قرآن و سنت یا اجماع موجود نہ ہو اور صرف فقہاء کرام کے استقراء اور تتبع کے نتیجے میں حاصل ہوئے ہوں ،جمہور فقہاء کے نزدیک

ان سے استنباط درست نہیں۔ تاہم اگر کسی پیش آمدہ مسئلہ میں قرآن ، سنت یا اجماع صراحۃً یا اشارۃً موجود نہ ہو اور قاعدہ کا اطلاق اس پر ہوسکتا ہو تو انتہائی احتیاط اور دیانتداری سے اس صورت حال پر قاعدہ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

[1]- الجوہری، اسماعیل بن حماد: الصحاح، تحقیق :عبد الغفور ، دار الکتب العربی مادۃ "قعد"۔ ابن منظور : لسان العرب، (دار صادر للطباعۃ والنشر ،۱۳۸۸ھ بیروت)مادۃ "قعد" ۱۱/ ۳۳۹۔

[2]- القرآن: البقرۃ، ۱۲۷۔

[3]- الزبیدی، سید محمد مرتضی: تاج العروس من جواہر القاموس،(ط/ بیروت، دار مکتبۃ الحیاۃ) ۲/ ۴۷۳، فصل القاف من باب الدال" مادۃ قعد"؛ الاصفہانی، الراغب: المفردات فی غریب القرآن، ترجمہ: محمد سید کیلانی، (ط، مصر، مصطفی البابی الحلبی ۱۳۸۱ھ ۱۹۶۱ء) مادۃ "قعد" ص ۴۰۹۔

[4]- المقری، ابو عبد اللہ محمد بن محمد: القواعد ، تحقیق: احمد بن عبد اللہ بن حمید (مکۃ مکرمۃ، مرکز احیاء التراث الإسلامی) مقدمۃ ص ۱۰۴۔

[5]- ابو البقاء: آپ کا پورا نام ایوب بن موسی الحسینی الکفوی الحنفی ہے۔ قدس کے منصب قضاء پر فائز رہے، ۱۰۹۴ھ میں انتقال ہوا۔ علمی آثار میں "الکلیات" مشہور ہے: اسماعیل باشا: ہدیۃ العارفین (مکتبۃ المثنی بیروت) ۱/ ۲۲۹؛ عمر رضا کحالہ: معجم المؤلفین، (دار المعرفۃ، بیروت، لبنان) ۳/ ۳۱۔

[6]- الکفوی، ایوب بن موسی الحسینی ابو البقاء: الکلیات، فہرست، دکتور عدنان درویش ود کتور احمد مصری (دمشق منشورات وزراۃ الثقافیہ والارشاد القومی ۱۹۷۴ء) القسم الرابع، ص ۴۸۔

[7]- امام السرخسی: آپ کا پورا نام محمد بن احمد بن ابی سہل، کنیت ابو بکر، اور شمس الائمہ السرخسی لقب ہے ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے اپنے زمانے کے امام، حجت، متکلم، مناظر، اصولی، فقیہ، محدث اور مجتہد تھے۔ ابن کمال باشانے طبقہ مجتہدین میں سے شمار کیا ہے آپ کا انتقال راجح قول کے مطابق ۴۸۳ھ میں ہوا۔ آپ کے علمی آثار میں سے مبسوط اور شرح السیر الکبیر بہت مشہور ہیں۔ دیکھیے: ابن کثیر، اسماعیل بن عمر: البدایۃ والنہایۃ، طبع ثانیہ، بیروت، مکتبۃ المعارف ۱۹۷۷ء ۱۲/ ۱۲۶؛ القرشی، ابو محمد عبد القادر بن محمد: الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۲/ ۸۔

[8]- السرخسی: المبسوط (استنبول، دار الدعوۃ، مؤسسۃ الثقافیۃ للتألیف والطباعۃ والنشر وللتوزیع) ۳/ ۱۷۸۔

[9]- جلال الدین سیوطی: آپ کا نام عبد الرحمن بن ابی بکر بن محمد، لقب جلال الدین اور مشہور سیوطی کے نام سے ہے۔ ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار امت کے کثیر التصانیف مؤلفین میں ہوتا ہے۔ آپ نے پانچ سو کتابیں تحریر کیں جب کہ خیر الدین الزرکلی کے قول کے مطابق آپ کی لکھی ہوئی کتابوں کی تعداد لگ بھگ چھ سو ہے۔ ۹۱۱ھ میں انتقال ہوا۔ ابن العماد ابو الفلاح عبد الحی الحنبلی، شذرات الذہب فی أخبار من ذہب، (دار احیاء التراث العربی بیروت) ۸/ ۵۱؛ الزرکلی، خیر الدین: الأعلام، دار العلم للملائین، ۹/ ۱۸۵

[10]- السیوطی، عبد الرحمٰن بن أبی بکر: الاشباہ والنظائر فی فروع فقہ الشافعیۃ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۳۹۹ھ ص ۶۔

[11]- ابن نجیم: آپ کا پورا نام زین الدین بن ابراہیم بن نجیم ہے اور ابن نجیم کے نام سے مشہور ہیں۔ فقہ حنفی کے مختلف متون کے شروح لکھے: کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق ' الفوائد الزینیہ ، فتح الغفار فی شرح المنار، لب الأصول فی تحریر اصول اور ہدایہ پر تعلیق کے علاوہ متعدد مفید کتابیں تحریر کیں۔ ۹۶۹ھ یا ۹۷۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (ابن العماد، شذرات الذہب، ۸/ ۳۵۸؛ عمر رضا کحالہ: معجم المؤلفین، ۱۰/ ۳۱۸)

[12]- ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم،: الاشباہ والنظائر، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء ص ۷۔

13-امام قرافی : آپ کا پورا نام ابو العباس احمد بن ابی العلاء ادریس بن عبد الرحمن الصنہاجی اور لقب شہاب الدین جبکہ (مصر میں امام شافعی کے مزار کے قریب ایک موضع قرافہ کی طرف نسبت کی وجہ سے) قرافی کے نام سے مشہور ہوئے۔مالکی مذہب میں آپ پر فقہی ریاست کا خاتمہ ہوا۔علوم عقلیہ ، تفسیر میں معرفت کے ساتھ ساتھ فقہ واصول فقہ میں کمال رکھتے تھے اور درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔۶۸۴ھ میں انتقال ہوا۔ابن فرحون ابراہیم بن نور الدین ، قاضی : الدیباج المذہب ، تحقیق : مامون بن محیی الدین الجنان(بیروت دار الکتب العلمیۃ ، ط/۱، ۱۴۱۷ھ /۱۹۹۶ء) ص ۱۲۸؛ مخلوف ، محمد بن محمد: شجرۃ النور الزکیۃ فی طبقات المالکیۃ، (ط/۱، دارالکتاب العربی اللبنانی ۱۳۴۹ھ)ص ۱۸۸۔

14-القرافی، ابوالعباس شہاب الدین احمد بن ادریس: الفروق، (ط بیروت، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر) مقدمہ ۱/۳۔

15-مجلۃ الأحکام العدلیۃ (ط استنبول، ۱۳۰۵ھ)، مقدمہ، ص۶۔

16- تاج الدین السبکی آپ کا نام عبدالوھاب بن علی بن عبدالکافی بن تمام ،کنیت ابونصراور لقب تاج الدین تھا۔۷۲۷ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ حدیث، فقہ، اصول فقہ ،طبقات اور مناقب جیسے مختلف موضوعات پر(۲۳)کتابیں لکھیں۔۷۷۱ھ میں طاعون میں مبتلا ہو کر(۴۴)سال کی عمر میں انتقال ہوا۔۔دیکھیے : ابن حجر، شہاب الدین احمد بن علی، الدررالکامنہ، قاھرہ مطبع المدنی ۱۳۸۵ھ۱۹۶۶ء ، ، ۳ / ۳۹۔۴۱۔ابن العماد، شذرات الذھب ،۶ /۲۲۱۔

17- ابن السبکی، تاج الدین عبدالوھاب بن علی: الأشباہ والنظائر، تحقیق عادل احمد عبدالموجود علی محمد معوض، (دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۱ھ)، ۲/ ۱۰۔

18-علامہ محمد الطاہر بن عاشور، الیس الصبح بقریب، ص۱۹۹، بحوالہ علی أحمد الندوی، القواعد والضوابط المستخلصہ من التحریر للامام جمال الدین الحصیری، (ط، مصر مطبعۃ المدنی المؤسسۃ السعودیۃ)، ص ۱۱۳۔

19-السیوطی، عبدالرحمٰن بن أبی بکر: الاشباہ والنظائر فی فروع فقہ الشافعیۃ، بیروت، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۳۹۹ھ ص۶۔

20-السیوطی: الأشباہ والنظائر ص ۱۳۵؛ الزرکشی: المنثور فی القواعد، (ط/ ۲، شرکۃ دار الکویت للصحافۃ ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ئ)۲/ ۱۱۹؛ابن نجیم: الاشباہ والنظائر، ص ۱۵۱، مجلۃ الاحکام العدلیۃ مادۃ ۸۵؛ الزرقا: المدخل الفقہی العام، ۲/ ۱۰۵۷، فقرہ و ۶۶۹۔

21- السرخسی: المبسوط ۳۰/ ۱۳۲؛ المرغینانی: الھدایۃ باب الغصب ۴ / ۶۲۲؛ السیوطی: الأشباہ والنظائر، ص ۵۰۸؛ السعدی ،عبدالرحمن بن ناصر: القواعد والاصول الجامعۃ، ص ۴۲؛ مجلۃ الاحکام العدلیۃ مادۃ، ۶۷؛ البورنو، محمد صدقی بن احمد، ابوالحارث ،الدکتور: موسوعۃ القواعد الفقھیہ، طبع اولیٰ (، مکتبۃ التوبہ دارابن حزم، ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ئ) ۳/ ۱۳۳۔۸/ ۶۶۹۔

22- السبکی : الاشباہ والنظائر ۲/ ۱۶۴؛ السبکی ، علی بن عبد الکافی :الابہاج فی شرح منہاج الاصول إلی علم الأصول للبیضاوی، تحقیق: جماعۃ من العلماء، (دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۴ھ) ، ۱/ ۱۱۰؛ الخطیب الشربینی : مغنی المحتاج إلی معرفۃ الفاظ المنہاج(دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۰۰ئ) ۱/ ۵۵۷۔

23-امام الحرمین علامہ جوینی کا پورا نام عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف بن محمد، کنیت ابو المعالی اور رکن الدین جب کہ لقب امام الحرمین تھا، نیسابور کے نواحی بستی ”جوین“ میں پیدا ہوئے اور ۴۷۸ھ میں نیسابور ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی تالیفات میں سے غیاث الأمم والتیاث الظلم ، العقیدۃ النظامیۃ ، البرہان ، نہایۃ المطلب فی دراسۃ المذہب (۱۲ جلد)، الورقات بہت مشہور ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: السبکی: طبقات الشافعیہ ،۳/ ۱۴۹؛ ابن خلکان: وفیات الاعیان، تحقیق دکتور احسان عباس، دار صادر، بیروت ۱/ ۲۸۷۔

24-الجوینی: امام الحرمین، عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف الشافعی: الغیاثی، تحقیق : عبد العظیم دیب، (ط/ ۱، قطر الشؤون الدینیۃ) ،ص ۴۶۸۔۴۶۹۔

25-ابن الملقن: الاشباہ والنظائر، ۱/ ۲۸۲۔

[26]- البخاری: الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ۸/ ۱۴۲ حدیث ۵۸۶۸؛ الفاظ کے اختلاف اور مفہوم میں اتفاق کے ساتھ اس جیسی ایک روایت مسلم شریف میں بھی ہے القشیری: صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر، ۲/ ۹۷۵ حدیث نمبر ۳۳۲۱۔
[27]- الزرکشی: المنثور فی القواعد، ۲/ ۴۶؛ السیوطی: الاشباہ والنظائر، ۱۲۵۔
[28]- تخریج حدیث کے لیے دیکھیے: القشیری مسلم بن الحجاج: الصحیح: کتاب المساقاۃ باب: أخذ الحلال وترک الشبہات، ۵/ ۵۰، حدیث نمبر ۴۱۷۸؛ نیز اس جیسی روایت کے لیے دیکھیے البخاری: الصحیح، کتاب الإیمان، باب: فضل من استبرأ لدینہ، ۱/ ۲۸، حدیث نمبر ۵۲۔
[29]- قاعدہ "المشقۃ تجلب التیسیر" کی تشریح کے لئے دیکھیے: موسوعۃ القواعد الفقہیہ، ج ۱/ ۹۷، ۳۲، ۲۹، ج ۱۰/ ۶۳۲
[30]- أصول الکرخی: ص ۱۱۷؛ السبکی: الاشباہ والنظائر، ۲/ ۹۷۴؛ السیوطی: الاشباہ النظائر ۱۰۱؛ ابن نجیم: الأشباہ والنظائر، ص ۱۰۵۔
[31]- ابن بدران، عبد القادر بن احمد: المدخل الی مذہب الامام احمد، مصر، دار الطباعۃ المنیریۃ، مصر، ص ۳۸۳
[32]- مجلۃ الاحکام العدلیۃ، قاعدہ نمبر ۶۔
[33]- مجلۃ الاحکام العدلیۃ، قاعدہ نمبر ۸۔
[34]- مجلۃ الاحکام العدلیۃ، مقدمہ ص ۱۱۔
[35]- علی حیدر: درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام، مقدمۃ ۱/ ۱۰؛ اصل عبارت یہ ہے: لیس لحکام الشرع ان یحکموا بمجرد إستناد إلی واحدۃ من ھذہ القواعد مالم یقفوا علی نص صریح۔
[36]- الحموی احمد بن محمد: غمز عیون البصائر علی محاسن الأشباہ والنظائر، (دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۵ھ) ۱/ ۱۷، ۱۳۲۔
[37]- الاتاسی، محمد خالد، العلامہ: شرح المجلۃ (کوئٹہ، مکتبہ اسلامیہ میزان مارکیٹ) مقدمۃ، ۱/ ۱۲۔
[38]- الجوینی، عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف الشافعی، امام الحرمین: الغیاثی، تحقیق: العظیم دیب، ط/ ۱، (قطر، الشؤون الدینیہ' ص ۴۹۹، ونص کلام الجوینی بکاملہ: وأنا ألآن اضرب من قاعدہ الشرع مثلین یقضی الفطن العجب فہما وغرضی بایرادھما تنبیہ القرائح ولیست أقصد الاستدلال بہما فان الزمان اذا فرض خالیا من التفاریع والتفاصیل لم یستند اہل الزمان الا الی المقطوع بہ فالمثلان احدھما فی الاباحۃ والثانی براءۃ الذمہ۔ دیکھیے: الغیاثی، ص ۴۹۹، ۵۰۰۔
[39]- القرافی، شہاب الدین، ابو العباس، احمد بن ادریس بن عبد الرحمن الصنہاجی: الفروق، (بیروت، عالم الکتب)، ۴/ ۴۰۔ ۱/ ۷۴۔ ۷۵۔
[40]- مسئلۃ السریجیۃ: ابو العباس احمد بن السریج الشافعی کی طرف منسوب فقہاء کرام کے درمیان ایک مشہور مسئلہ ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے: الونسریشی: ایضاح المسالک، ص ۴۰۷۔
[41]- القرافی: الفروق، ص ۴/ ۴۰۔ ۱/ ۷۴، ۷۵۔
[42]- **ابن عرفہ:** ابن عرفہ کا پورا نام محمد بن محمد بن عرفہ الورغمی ہے۔ تیونس کے خطیب، مفتی اور مذہب مالکی کے بڑے فقیہ تھے۔ ۸۰۳ھ میں انتقال ہوا۔ تصانیف میں علم الفقہ میں "مبسوط" سات جلد اور فقہی اصطلاحات کی تشریح میں "الحدود" مرتب کی۔ دیکھیے: ابن فرحون: الدیباج المذہب ص ۳۳۷۔
[43]- الحطاب، ابو عبد اللہ، محمد بن عبد الرحمن المغربی: مواہب الجلیل شرح الخلیل، (ط/ ۲، دار الفکر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء)، ۱/ ۳۸۔
[44]- المقری: القواعد، ص ۱۱۷۔ ۱۱۸۔
[45]- ابن فرحون: آپ کا پورا نام ابراہیم بن علی بن ابی القاسم بن محمد بن فرحون ہے اور ابنِ فرحون کے نام سے مشہور ہیں۔ ۷۱۹ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں منصبِ قضاء پر فائز ہوئے۔ ۷۹۹ھ میں انتقال ہوا۔ آپ کے علمی آثار میں سے تسہیل المہمات فی شرح جامع الامہات، تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ و مناہج الاحکام اور الدیباج المذہب فی اعیانِ المذہب مشہور ہیں۔ دیکھیے: ابن العماد: شذرات الذہب، ۶/ ۳۵۷؛ عمر رضا کحالہ: معجم المؤلفین، ۱/ ۶۸۔

46- **التنوخی:** آپ کا پورا نام شیخ ابو طاہر بن بشیر التنوخی ہے۔ مذہبِ مالکی کے جلیل القدر مفتی، حافظِ مذہب اور رتبہ اختیار وترجیح کے نامور علماء میں سے تھے۔ ۵۲۶ھ کے لگ بھگ آپ کو عقبہ کے مقام پر ڈاکوؤں نے شہید کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کے علمی آثار میں سے الانوار البدیعۃ الی اسرار الشریعۃ، جامع من الامہات، التنبیہ علی مبادئ التوجیہ اور التذہیب علی التہذیب مشہور ہیں۔ دیکھیے: ابن فرحون: الدیباج المذہب، ص، ۸۷۔۸۸۔

47- ابن فرحون: دیباج المذہب فی معرفۃ أعیان المذہب، (ط بیروت، دار الکتب العلمیۃ)، ص ۸

48- یشیر ابن فرحون بالقواعد الاصولیہ الی القواعد الفقہیہ اذ ہی محل الخلاف اما القواعد الأصولیہ فمتفق علی جواز استخراج الاحکام منہا واطلاق القواعد الاصولیہ علی القواعد الفقہیۃ أمر شائع فی ذلک العصر، دیکھیے:: القواعد للمقری، تحقیق: احمد بن عبد اللہ بن حمید، ص ۱۱۶۔

49- امام نووی، پورا نام یحییٰ بن شرف الدین بن مری بن حسن، کنیت ابو زکریا اور لقب محی الدین ہے جنوبی دمشق کی بستی نوی کی طرف نسبت سے نووی مشہور ہوئے حدیث اور لغت میں مہارت سمیت فقہ شافعی کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ ۶۷۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ علمی تصانیف میں المجموع شرح المہذب، روضۃ الطالبین اور المنہاج شرح صحیح مسلم مشہور ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھیے السبکی: طبقات الشافعیہ ۵ / ۱۶۵؛ الزرکلی: الأعلام، ۹ / ۱۸۵۔

50- النووی، ابو زکریا محی الدین، یحییٰ بن شرف: کتاب المجموع شرح المہذب، (دار الفکر)، ۲ / ۶۰۔ امام احمد کا مذکورہ قول "انہ یجب الوضوء من شرب لبن الابل" کو ابن قدامہ نے نقل کیا ہے۔ دیکھیے: ابن قدامہ: المغنی، تحقیق: محمد عبد الوہاب فائید، (ط ریاض مکتبۃ الریاض الحدیثۃ ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱)، ۱ / ۱۰۴

51- اسید بن حضیرؓ: آپ کا پورا نام اسید بن حضیر بن سماک بن عتیک ابو یحییٰ الأنصاری الأوسی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے صحابی ہیں۔ عرب کے عقلمندوں اور اہل الرائے میں شمار کیے جاتے تھے، بیعت عقبہ ثانیہ کے ستر شرکاء میں سے اور بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے،۔ آپ سے اٹھارہ احادیث مروی ہیں، دیکھیے: ابن الأثیر، أسد الغابۃ ۱ / ۱۱۳؛ ابن حجر العسقلانی: تہذیب التہذیب ۱ / ۳۴۷۔

52- ابن دقیق العید: آپ کا پورا نام محمد علی بن وہب، کنیت ابو الفتح اور تقی الدین لقب تھا، ابن دقیق العید کے نام سے مشہور رہے، علم اصول فقہ کے نامور عالم اور مجتہد تھے۔ ۷۰۲ھ میں قاہرہ میں انتقال ہوا، علمی تصانیف میں سے اِحکام الأحکام فی شرح عمدۃ الأحکام، اصول الدین، الاِمام فی شرح الاِلمام، اور الاِقتراح فی بیان الاِصطلاح مشہور ہیں: ابن حجر: الدرر الکامنۃ ۴ / ۹۱؛ ابن العماد: شذرات الذہب ۶ / ۵۔

53- ابن فرحون: الدیباج المذہب، ص ۸۷۔

54- مہذب الفروق: آپ کا پورا نام محمد بن علی بن حسین بن ابراہیم المکی المالکی ہے مالکی مذہب کے فقہاء کبار میں سے تھے اصل تعلق مغرب سے تھا مکہ میں تعلیم حاصل کی اور حجاز کے نامور فقہاء میں شمار ہوئے۔ اور ۱۳۶۷ھ میں انتقال ہوا۔ علمی آثار میں تدریب الطلاب، علمِ النحو اور تہذیب الفروق مشہور ہیں امام قرافی کی کتاب الفروق کی تہذیب کی اس لئے مہذب الفروق کہلائے الزرکلی: الأعلام ۷ / ۱۹۷؛ عمر رضا کحالہ: معجم المؤلفین، ۱۰ / ۳۱۸؛

55- تہذیب الفروق (مطبوع بھامش الفروق بیروت، عالم الکتب) تحت الفرق الثانی ۱ / ۳۶۔

56- الاتاسی، محمد خالد: شرح المجلۃ، مقدمۃ ص ۱۲۔

57- ابن فرحون: الدیباج المذہب، ص ۸۷۔ ۸۸؛؛ جمال الدین عطیہ: النظریۃ العامۃ للشریعۃ الاسلامیۃ، اردو ترجمہ: شریعتِ اسلامی کا عمومی تصور، ص ۱۶۱۔

58- غازی، محمود احمد، ڈاکٹر: قواعد کلیہ اور ان کا آغاز وارتقاء (اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی دسمبر ۱۹۹۲)، ص ۱۹۔

59- نفس المصدر ص ۱۹، ۱۸۔

60- الزرقاء: مصطفی احمد: المدخل الفقہی العام، (ط، دمشق، مطبعہ طربین ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۸ئ)، ۲ / ۹۴۹۔

[61]- البورنو، محمد صدقی بن احمد، ابوالحارث، الدکتور: موسوعۃ القواعد الفقہیہ، طبع اولیٰ، مکتبۃ التوبہ دارابن حزم، ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء مقدمۃ، ص ۳۰۔